بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

قریب قریب گیارہ کروڑ کی آبادی کا مسلمان ملک گزشتہ سوا سال سے جان و مال کی جس اندوہناک تباہی سے دوچار ہے اس کے حالات پڑھ کر انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے۔ انسانی جان تو خیر بڑی قیمتی ہے کسی انسان کو تو یہ بات بھی زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی ذی روح کو ناحق ستائے یا اس پر دستِ ظلم دراز کرے۔ مگر اس بدنصیب ملک، انڈونیشیا کا یہ حال ہو گیا ہے کہ بھائی بھائی کا دمساز بننے کے بجائے اُس کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے، اُس کی جان و مال کی حفاظت کرنے کے بجائے اسے غارت اور برباد کرنے میں منہمک ہے۔ املاک کا جو اتلاف ہوا ہے اس کا تو کوئی صحیح حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ اس انقلاب میں تقریباً دس لاکھ قیمتی جانیں ضائع ہوئی ہیں اور یہ وہ جانیں ہیں جن کے بارے میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر بڑی تاکید کے ساتھ یہ فرمایا تھا:

ان دماءکم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا الیٰ یوم تلقون ربّکم۔	تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح تم پر حرام ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر (مکہ) میں حرام ہے۔

ذہن میں بار بار یہ سوال اُبھر کر آتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ آناً فاناً نیلے آسمان سے ٹوٹ پڑنے والی بجلی کی طرح ہوا ہے یا انڈونیشیا کے سیاسی افق پر ایسے تاریک بادل آہستہ آہستہ جمع ہو رہے تھے جو ایک خوفناک طوفان کے آنے کی خبر دے رہے تھے اور پوری گھن گرج کے ساتھ اس بات کی دہائی دے رہے تھے کہ اُن کی آستینوں سے نہایت خوفناک قسم کی بجلیاں گرنے والی ہیں۔ انڈونیشیا میں جو کچھ ہوا ہے

وہ فی الحقیقت بڑا کربناک بلکہ اذیت ناک ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب کچھ دفعتاً نہیں ہُوا بلکہ اصحابِ اقتدار کی بے تدبیریوں اور غلط کاریوں نے آہستہ آہستہ پُوری قوم کو دھکیل کر ایک نہایت خطرناک غار کے دہانہ پر لا کھڑا کیا جہاں سے وہ لڑھک کر بربادی کے آغوش میں پہنچ گئی۔ ایک عظیم الشان قوم جس نے پورے اتحاد اور اتفاق کے ساتھ ولندیزی سامراجیت کو شکست فاش دے کر ابھی چند سال پیشتر آزادی حاصل کی تھی اچانک کسی پاگل پن کا دَورہ تو نہیں پڑا کہ اُس نے اپنے فرزندوں اور جاں نثاروں کو ہی کھانا شروع کر دیا ہو۔ وہ اگر فی الواقع اس وقت دیوانوں کی سی حرکات کر رہی ہے اور اُس پر واقعی دیوانگی کا عالم طاری ہے تو یہ سب کچھ یونہی کسی وقتی ترنگ میں نہیں ہو گیا بلکہ یہ ایک طویل کرب اور اذیت کا نتیجہ ہے جس نے اُس کے ذہن کو مفلوج کر کے اُسے درندوں کی سی روش اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔

یہ ذہنی کرب و اضطراب جس نے انڈونیشی قوم کے ذہنی توازن کو بگاڑ کر اُسے خود اپنی بربادی پر آمادہ کیا ہے، صرف اسی قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی ٹیسیں آج پوری دنیائے اسلام میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جس میں یہی اذیت ناک صورتِ حال موجود نہ ہو۔ کہیں یہ واقعتاً لوگوں کو دیوانہ بنا کر انہیں ایک نہایت خطرناک روش پر ڈال چکی ہے، اور کہیں یہ زہر ذہنوں کے اندر آہستہ آہستہ سرایت کر کے انہیں مفلوج کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ دوسرے مسلمان ممالک بھی اس مصیبت سے دوچار ہوں۔ لیکن دنیائے اسلام کے حالات جس تشویشناک رُخ پر جا رہے ہیں۔ انہیں دیکھنے سے یہ چیز کوئی اَنہونی اور غیر متوقع نظر نہیں آتی۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ ہم انڈونیشیا کے حالات کو سمجھیں اور ان سے سبق لیں۔

مسلمان عیسائیوں کے بعد تعداد کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی قوم ہیں۔ اس کرۂ ارضی کے ایک بہت بڑے حصے پر ان کا قبضہ ہے۔ پھر یورپ کے صنعتی انقلاب سے پہلے یہ قوم اقوامِ عالم میں ایک

ممتاز حیثیت کی مالک رہی ہے۔ اُس کی یہ برتری جو زندگی کے کسی ایک شعبے میں نہیں بلکہ سارے شعبوں میں تھی، پُورے ایک ہزار سال تک قائم رہی۔ اس قوم کا اپنا ایک مخصوص نظریۂ حیات ہے۔ اس کا اپنا ایک متعین اور واضح اُسلوب زندگی ہے۔ اس کی اپنی کچھ مخصوص روایات ہیں۔ اس کا اپنا ایک درخشاں ماضی ہے۔ اس قوم نے نہ صرف ایک لمبے عرصے تک خوب و ناخوب کے اپنے معیاروں کے ساتھ اپنے آپ کو زندہ رکھا بلکہ پُوری انسانیت کو اُن سے متاثر کیا اور نہ صرف اس کے فکر و احساس کی صورت گری کی، بلکہ اُسے سیاست، معیشت، معاشرت اور مذہب کی نئی قدروں سے نوازا۔ ہمیں اس وقت اس امر سے کوئی بحث نہیں کہ اس قوم کی ان قدروں کی نوعیت کیا تھی اور انہوں نے انسانیت پر کیا اثرات مرتب کیے، بلکہ اس جگہ ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ قوم جو فکر و احساس کے اپنے خاص زاویے رکھتی ہو اور اُن کے مطابق جس نے آٹھ نو سو سال خود بھی زندگی بسر کرنے کی کوشش کی ہو اور دوسری قوموں کے زاویے بدلنے کے لیے بھی ہمت آزما رہی ہو اُس کی حیثیت اُس پرکاہ کے برابر نہیں ہوتی جسے سیاسی طوفان یا فوج در فوج سپاہ کے ریلے جس طرف چاہیں بہا کر لے جائیں۔ اِس قوم کو اندر سے بدل ڈالنا اور دنیا سے بھی اس کے اثرات کو مٹا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے بڑی طویل جد و جہد درکار ہے۔

مسلمان قوم جب اپنے اصل مقصد کو، جو اس کی قوت و حرارت کا سرچشمہ تھا، بھول کر اضمحلال کا شکار ہو گئی تو مغرب کی استعمار پسند قوموں نے اس پر قبضہ کرکے اسے لوٹنا شروع کیا۔ ابھی اس استحصال کو دو صدیاں بھی گزرنے نہ پائی تھیں کہ خود ان مغربی قوموں میں یکے بعد دیگرے دو عالمگیر جنگیں ہوئیں جنہوں نے انہیں اتنا کمزور کر دیا کہ اب ان کے لیے اسلحہ و بارود کے ساتھ مسلمانوں پر مسلط رہنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔ لیکن ان کے منہ کو اس مظلوم قوم کے خون کی جو چاٹ لگی ہوئی تھی وہ انہیں برابر کوئی ایسی تدبیر کرنے پر اُبھار رہی تھی جس سے سیاسی گرفت کے نہ ہونے کے باوجود وہ انہیں بندۂ بے دام بنائے رکھیں۔ اس کے لیے بڑے غور و خوض کے بعد مغربی سامراج اس نتیجے پر پہنچا کہ اس قوم سے تیر و تفنگ یا سیاسی اقتدار کا چھین لینا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ ایمان کا سلب کر لینا ضروری ہے، کیونکہ جب تک اس کے اندر ایمان کی چنگاری

موجود ہے یہ راکھ کا ڈھیر نہیں بن سکتی کہ جس کے ذرات کو دوسری قومیں جس طرح چاہیں منتشر کر سکیں۔ پھر اس ایمان کے ساتھ وہ کسی باطل نظریہ حیات کو آسانی سے اپنانے پر آمادہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس قوم کے ایمان میں اپنی دنیا الگ بسانے اور باطل کو جلا کر خاکستر کرنے کا ولولہ موجود ہے۔ چنانچہ اس قوم کو متاعِ ایمان سے محروم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ سامراج نے رخصت ہونے سے کافی مدت پہلے ایک ایسا طبقہ تیار کیا جو اِس قوم کی آرزوؤں اور امنگوں کا ترجمان ہونے کے بجائے مغربی افکار و نظریات کا پرستار ہو۔ اور رختِ سفر باندھنے سے پہلے اقتدار و اختیار کی باگیں اس طبقے کے ہاتھ میں دے کر وہ اس اطمینان کے ساتھ رخصت ہوا کہ یہ طبقہ اس کی عدم موجودگی میں وہ سارے کام بطریقِ احسن انجام دیگا جو مغربی سامراج اپنے دورِ اقتدار میں کرتا رہا ہے۔

ادھر یہ مغرب پرست طبقہ اپنے اپنے ملک میں مغربی آقاؤں کی خواہش اور تمنا کے مطابق اس قوم کو دین سے دُور لے جانے کی کوشش میں منہمک ہوا، اور دوسری طرف قوم کے اندر یہ احساس بڑی شدت کے ساتھ اُبھرنے لگا کہ اب آزاد ہونے کے بعد بھی اگر اُسے متاعِ آزادی سے محروم ہی رہنا ہے اور اسے اپنی دنیا غیروں کے نقشے کے مطابق ہی تعمیر کرنی ہے تو پھر حصولِ آزادی کے لیے جان و مال کی اتنی بے پناہ قربانیوں کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر استعمار کی جونک کو اس کا خون پہلے کی طرح ہی چوسنا ہے اور اُسے اغیار کے بتائے ہوئے راستے پر بالکل بے بس ہو کر ہی چلنا ہے تو پھر یہ تو سراسر خسارے کا سودا ہے۔ کیونکہ بدیشی آقا طاقتور اور ترقی یافتہ قوم سے تعلق رکھنے کی وجہ سے زیادہ مستعد، ذہین اور فرض شناس تھے اور اس بنا پر ان دیسی آقاؤں کی بہ نسبت اُس کے جان و مال کی بہتر طور پر حفاظت کر سکتے تھے، لہٰذا آزادی کے بعد اگر ہماری قسمت نہیں بدلنی تو پھر اس نام نہاد آزادی کے لیے ساری جدوجہد اور قربانی بالکل بے مقصد اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

محرومی اور ناکامی کے اس احساس نے قوم کے اندر دو طبقوں کو جنم دیا۔ ایک طبقہ تو وہ تھا جس نے

یہ محسوس کیا کہ اُس نے جنگِ آزادی میں شریک ہو کر غلطی کی ہے۔ یہ قوم ابھی آزادی کے لیے ذہنی اور اخلاقی طور پر تیار نہ تھی اور اسے قبل از وقت آزادی مل گئی اور اس احساس کے ساتھ ہی وہ ہمت ہار کر بیٹھ گیا۔ اس طبقے کے نقطۂ نظر میں بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ جس چیز کو آزادی کی صلاحیت اور اہلیت قرار دے رہا ہے وہ سامراج اپنے دَورِ اقتدار میں کس طرح پیدا ہونے دے سکتا تھا۔ اس کی تو کوشش ہی یہی تھی کہ ان لوگوں کے اندر یہ صلاحیت کسی طرح بھی اُبھرنے نہ پائے۔

دوسرے طبقے نے جسے عوامی تائید حاصل تھی، ملکی معاملات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی اور یہ چاہا کہ آزادی کے بعد ملت کی ان خواہشات اور تمناؤں کو پُورا کیا جائے جن کے لیے ہی دراصل آزادی کی جدوجہد کی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں قریب قریب ہر جگہ اس حکمران طبقے کے ساتھ اس کی کشمکش شروع ہو گئی جس کے پاس لشکر و سپاہ کی بہت بڑی تعداد ہے، جس کے قبضے میں پورے پورے ملکوں کے وسائل ہیں، اور جس نے خوشامدیوں اور کاسہ لیسوں کا ایک وسیع حلقہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ یہ کشمکش کہیں تو جذبات کی تلخیوں کی شکل اختیار کر رہی ہے، کہیں اس سے فکری اور ذہنی انتشار رونما ہو رہا ہے۔ —————— کہیں اس نے حاکم و محکوم کے درمیان بُعد و بیگانگی کی صورت اختیار کر لی ہے، اور کہیں اس نے اپنے ہی بھائی بندوں کے درمیان قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا ہے انڈونیشیا میں جو کچھ ہوا ہے یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس پُورے المیے کے پیچھے ایک طویل کشمکش ہے جو بدقسمتی سے سارے اسلامی ممالک میں اس وقت برپا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور یہ کشمکش وہاں کسی نہ کسی صورت میں موجود نہ ہو۔ اس بنا پر انڈونیشیا میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں ہوئی جس سے دوسرے اسلامی ممالک بالکل محفوظ و مامون ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس ابتلا سے بچائے اور اپنی رحمتِ خاص سے معاونت اور دستگیری کر کے انہیں اس شر سے نکال لے۔ لیکن جہاں تک حالات کے بہاؤ کا تعلق ہے اُسے دیکھنے سے مستقبل کی بڑی بھیانک تصویر سامنے آتی ہے۔

یہ تو ہے دنیائے اسلام میں اس کشمکش کا داخلی پس منظر۔ اس کے خارجی حالات میں ایک نمایاں